مولانا اسرار مدنی

جمہوریت کا اسلامی تصور

جمہوریت کا سادہ سا مطلب یہ ہے کہ عوام کے اجتماعی معاملات کو چلانے کے لیے عوام کی اکثریت کی رائے پر عمل کیا جائے۔ یہ نہ صرف انتہائی فطری اور واحد قابل عمل طریقہ ہے بلکہ دین کے تقاضوں کے بھی عین مطابق ہے۔قرآن کا حکم امرھم شوری بینھم اسی کا بیان ہے۔اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ مسلمانوں کے معاملات ان کے مشورے ارائے سے چلائے جانے چاہییں ۔اس حکم کا تقاضا محض یہ نہیں ہے کہ ان سے رسمی طور پر مشورہ کر لیا جائے بلکہ ان کے مشورہ کے مطابق ہی فیصلہ بھی کیا جائے،اور یہ مشورہ بھی کسی خاص طبقے یا گروہ تک محدود نہ ہو بلکہ تمام لوگوں کو مشورے ارائے کا یکساں حق دیا جائے،اسی کا نام جمہوریت ہے۔

اسلام کا بنیادی اصول مشاورت

اسلام نے امرھم شوری بینھم کا ایک واضح اصول دیا ہے جس میں حکمرانوں کا انتخاب اور معزول ہونا اور باقی اجتماعی معاملات بھی لوگوں کی مرضی سے طے کیے جاتے ہیں۔خلافت راشدہ کے انتخاب میں بھی یہی اصول کارفرما رہا اور تمام خلفائے راشدین اصلا لوگوں کی مرضی سے ہی حکمران بنے۔حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بھی اپنی نامزدگی کے باوجود لوگوں کی آزاد مرضی کے بعد ہی اس ذمہ داری کو قبول کیا تھا۔

جمہوریت کا متبادل آمریت

جمہوریت کا متبادل صرف اور صرف آمریت ہے۔یعنی محض طاقت کے بل بوتے پر عوام کے حق حکمرانی کو غصب کر لینا۔اگر اس اصول کو مان لیا جائے تو جس طرح آج خلافت کے نام پر مدعی اقلیت میں ہونے کے باوجود طاقت اور جبر کی بنیاد پر اپنا غلبہ حق بجانب سمجھتے ہیں،اسی طرح کل کوئی مغرب زدہ یا کمیونسٹ اقلیت یا کسی اقلیتی مسلک کے ماننے والے بھی اگر طاقت حاصل کر لیتے ہیں تو کیا آپ انھیں یہ حق دینے کے لیے تیار ہیں کہ وہ بالجبر آپ پر مسلط ہو جائیں۔طاقت کے قانون کے اس اصول کو اگر مان لیا جائے تو اس کا نتیجہ مستقل انتشار اور انارکی کے سوا اور کیا نکل سکتا ہے۔

تشکیلِ حکومت میں عوامی رائے کی اہمیت

حکومت کے انعقاد میں عوامی رائے اور استصواب کی کیا اہمیت ہے اس کا اندازہ درج ذیل تاریخی روایت سے ہوتا ہے کہ حضرت عبدالرحمان بن عوف نے حضرت عثمان اور حضرت علی کے انتخاب میں عوامی رائے معلوم کرنیمیں کس قدر محنت اور جان فشانی سے کام لیا:

"پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ان دونوں) حضرت عثمان و حضرت علی (کے متعلق لوگوں سے مشورہ کرنے میں مشغول ہو گئے۔آپ اکابر سیبھی مشورہ کرتیاوران کے پیروکاروں سے بھی۔،اجتماعا بھی اور متفرق طور پر بھی، اکیلے اکیلے سے بھی اور دو دو سیبھی ،خفیہ بھی اورعلانیہ بھی،حتی کہ پردہ نشین عورتوں سے بھی مشورہ کیا۔ مدرسے کے طالب علموں سے بھی، اورمدینہ کی طرف آنے والے سواروں سے بھی، بدووں سے بھی جنھیں وہ مناسب سمجھتے ۔تین دن اورتین راتیں یہ مشورہ جاری رہا۔آپ نے دو آدمیوں کے سوا سب لوگوں کو حضرت عثمان کی خلافت کے حق میں پایا، البتہ حضرت عمار اور مقداد نے حضرت علی کے حق میں مشورہ دیا۔ بعد میں ان دونوں نے بھی (حضرت عثمان) کی دوسرے لوگوں کے ساتھ بیعت کی جیسا کہ ہم ابھی بیان کریں گے۔سوحضرت عبدالرحمٰن ان تین دن اور تین راتوں میں بہت کم سوئے۔ وہ اکثر نماز ، دعا،استخارہ اوران لوگوں سے مشورہ میں وقت گزارتے تھے جن کو وہ مشورہ کا اہل سمجھتے۔سوآپ نے (اس مشورہ کے دوران) کسی کو بھی نہ پایا جو حضرت عثمان کے برابر کسی کو سمجھتا ہو۔(البدایۃ والنہایۃ،ج۷،ص۱۴۷)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی بنیاد پر ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کے مشورے کے بغیر مسلمانوں کے نظم اجتماعی کا قیام اور بقا ناممکن ہے۔آپ نے فرمایا: لا خلافة لا عن المشورة .خلافت کا قیام اور انعقاد مشورے کے بغیر جائز نہیں۔

خلافت راشدہ میں کثرتِ رائے کی اہمیت

جمہوریت میں اکثریت کی رائے کے مطابق سربراہ ریاست کا تعین ہوتا ہے۔کثرتِ رائے کے ساتھ انتظامی اور بعض اوقات شرعی معاملات کا فیصلہ قرنِ اول میں بھی رائج تھا۔حضرت ابوبکر صدیق کے سامنے جب کوئی نیا معاملہ آتا تو وہ اس کو قرآن وحدیث میں تلاش کرتے وہاں نہ ملتا تو صحابہ کرامؓ سے ان کے گھر جا کر ملاقات کرتے اوراس میں بھی کامیاب نہ ہوتے تو اصحاب رائے صحابہ کو جمع کرکے ان کے سامنے مسئلہ رکھتے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی معمول تھا، عام طور پر قرآن وحدیث کے سامنے آجانے کے بعد اتفاق رائے ہوجاتا،لیکن کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ قرآن وحدیث کی طرف مراجعت میں ،خفا یا ظاہری تعارض کے سبب یا امور انتظامیہ میں اختلاف رائے کے باعث اتفاق نہ ہوسکا، تو کثرت

رائے کے ذریعہ فیصلہ کیا گیا۔

خلافت راشدہ میں فیصلے کے نفاذ کا طریقہ کار

خلافت راشدہ کے پورے عہد میں ایک نظیر بھی اسی طرح کی پیش نہیں کی جاسکتی کہ امیر المومنین نے محض اپنی رائے کو یا اقلیت کی رائے کو یہ کہہ کر نافذ کیا ہو کہ ایسا کرنا ان کے اختیار میں داخل ہے، البتہ اس طرح کے متعدد واقعات ملیں گے کہ امیر المومنین اپنی مدلل اور مضبوط رائے کو نافذ کرنے سے محض اس لیے رکیکہ اکثریت ان کے حق میں نہیں ہے۔ اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ خود خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی خلافت کا انعقاد بھی شوری اور کثرتِ رائے کی بنیاد پر ہوا ہے۔ تاریخ کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ سقیف بنوساعدہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتخاب بھی بھاری اکثریت نے کیا ہے، بنو ہاشم کے خواص اور انصار کے شیخ قبیلہ حضرت سعد بن معاذ کی رائے اس وقت ان کے حق میں نہیں تھی (تاریخ اسلام اکبر شاہ، ج1، نیز دیکھیے: الفاروق)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مشورہ کیا تو مشورہ کی خصوصی مجلس میں اختلاف ہوگیا، پھر جب آپ نے رائے عامہ معلوم کی تو وہ بالاتفاق حضرت عمر کے حق میں گئی اس لیے یہ انتخاب بھی شوری اور کثرت رائے سے ہوا (نظام حکومت، ص324)

عددی کثرت کی بنیاد پر خلافت کا فیصلہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلیفہ کے انتخاب کے لیے جو چھ اراکین پر مبنی مجلس شوری نامزد کی تھی، اس نے بھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ رائے عامہ کی کثرت دیکھ کر کیا ہے۔ (تاریخ اسلام اکبر شاہ) اور اسی رائے عامہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی گئی ہے۔ خلافت راشدہ میں عددی کثرت کے فیصلہ کن ہونے کی سب سے عمدہ وضاحت حضرت عمر کی نامزد کردہ مجلس شوری کی تفصیلات سے ہوئی ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان حضرات کو یہ ہدایت کی تھی کہ اگر اتفاق رائے سے انتخاب عمل میں آجائے تو سب سے اچھی بات ہے اور اگر اختلاف رائے ہو جائے تو اکثریت کے مطابق انتخاب کیا جائے اور اقلیت اگر فیصلہ کے خلاف بغاوت کرے تو اس کو عبرتناک سزا دی جائے۔

خلافت راشدہ میں عام طور پر مسائل کے حل کے لیے مجلس شوری نے کتاب وسنت کی طرف مراجعت کی ہے اور جب کوئی مسئلہ صاف ہوگیا ہے تو عام طور پر اتفاق رائے ہوگیا ہے اور اگر اختلاف باقی رہا ہے تو کثرت رائے کے ذریعہ فیصلہ کیا گیا ہے۔

فقہا کی نظر میں کثرتِ رائے کی اہمیت

کثرتِ رائے بعد میں آنے والے فقہا کے ہاں بھی حجتِ شرعیہ کے طور پر موجود ہے۔ اگر کسی مسئلہ میں فقہا کا اختلاف رائے ہوتو وہاں کثرت رائے کی بنیاد پر ترجیح کا اصول موجود ہے۔ کثرتِ رائے کی بنیاد پر ترجیح کی بات دو موقعوں پر کہی گئی۔ ایک صورت یہ ہے کہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں ائمہ احناف سے کوئی قول منقول نہیں ہے، اور فقہائے متاخرین کے ہاں بھی اس مسئلہ میں اختلاف رائے ہوجائے، تواس سلسلہ میں اکثریت کے قول پر عمل کیا جائیگا۔ (دیکھیے: شرح عقود رسم المفتی، ص78)

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک مسئلہ میں دوقول ہیں اور دونوں ہی کو صحیح قرار دیا گیا ہے، ان دونوں صحیح اقوال میں سے ایک قول کو ترجیح دینے کے سلسلے میں کثرتِ رائے کے اصول کو مان لیا گیا ہے، یعنی اس صورت میں جس قول کو زیادہ لوگوں نے اختیار کیا ہو، وہی معتبر ہوگا۔ (شرح عقود رسم المفتی ص۔89)

غرض یہ ہے کہ کثرت رائے کے وجہ ترجیح یا شرعا معتبر ہونے کے لیے قرآن کریم احادیث پاک، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل، خلفائے راشدین کا عمل اور فقہائے کرام کی تصریحات سب ہی موجود ہیں، اس لیے اگرشوری میں اختلاف رائے ہو جائے تو ایسی صورت میں اکثریت کی رائے کے مطابق فیصلہ کرنے میں شرعا کوئی تنگی نہیں ہے، اور اگر اکثریت پر فیصلے کی بات باہمی معاہدہ یا دستور اساسی کی صورت میں طے کرلی گئی ہوتو پھر صرف اکثریت ہی کی بنیاد پر فیصلہ کرنا ضروری ہوجائے گا۔

☆☆☆

(بقیہ ص۴۲ سے)

عجلت پسندی قرآن وحدیث کی روشنی میں

ہمارے اس مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو اپنی ودیعت کردہ صفات کا استعمال مثبت انداز سے کرنا چاہئے، اس لئے اچھے اور نیک کاموں میں جلد بازی سے کام لیجئے اور جن جگہوں پر اللہ نے ہمیں عجلت پسندی کو قابو میں کرنے کا حکم دیا ہے، جیسے سنی سنائی باتوں کو بلاتحقیق پھیلانا، کسی کے تعلق سے برا گمان کرنا، اور بے جا غصہ سے کام لینا ان جیسی جگہوں پر نہایت صبر وتحمل سے قدم اٹھایا کیجئے، جلد ہی آپ دیکھیں گے کہ ایک پرسکون اور خوشگوار معاشرہ وجود میں آچکا ہے۔ ہم چاہیں تو خود کو آج سے ہی بدل سکتے ہیں کیونکہ اگر ہم کچھ کرنے کی ٹھان لیں تو ہمیں بھلا کون روک سکتا ہے؟

تو آیئے! ایک نئی خوشگوار زندگی کی شروعات کریں، یقین جانئے ان اصولوں پر عمل کر کے ہم عنداللہ محبوب بن جائیں گے اور لوگوں کے درمیان بھی ہماری پہچان ایک معتبر اور نیک انسان کے طور پر ہوگی۔